جمہوریت، اقلیتی حقوق اور بھیم راؤ امبیڈکر

آئین کے مطابق کوئی بھی قانون یا پالیسی نافذ نہیں کی جائے گی جب تک کہ اس میں اقلیتوں کی برابر کی شرکت اور رضامندی شامل نہ ہو



ابھے کمار

آج بھارت اور دنیا کے مختلف حصوں میں بابا صاحب بھیم راو امبیڈکر کا ۱۳۴واں یومِ ولادت منایا جا رہا ہے۔ ڈاکٹر امبیڈکر کے افکار محکوم طبقات کے لیے مشعلِ راہ ہیں، جو انہیں زندگی کے ہر راستے اور موڑ پر رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔ آج ہم یہاں امبیڈکر کے تصورِ اقلیتی حقوق پر گفتگو کریں گے، جو جمہوریت کی بقا اور سماجی انصاف کے اہداف سے گہرا تعلق رکھتا ہے۔ امبیڈکر ایک سچے جمہوریت پسند انسان تھے، جو آمرانہ طرزِ حکومت کے سخت مخالف تھے۔ ان کا ماننا تھا کہ کسی ایک فرد، جماعت، ذات یا طبقے کو تمام اختیارات سونپ دینا ایک خطرناک عمل ہے۔ وہ اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے کہ کوئی بھی واحد فریق تمام طبقات کے مفادات کا موثر تحفظ نہیں کر سکتا۔ امبیڈکر پر برطانوی سامراج کی حمایت کا الزام لگایا گیا، جو کسی بھی پہلو سے جائز نہیں تھا۔ تاریخی حقیقت یہ ہے کہ بابا صاحب ہندوستان کی آزادی کے قطعی مخالف نہیں تھے۔ جہاں اعلیٰ ذاتوں نے محض اقتدار کی منتقلی کو سوراج کی تکمیل سمجھا، وہیں امبیڈکر نے قومی رہنماؤں سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ آزادی کے بعد ہندوستان میں اقلیتوں کو دیے جانے والے حقوق اور تحفظات کو واضح طور پر بیان کریں۔ اعلیٰ ذات کے رہنما، اگرچہ برطانوی راج پر اپنی سیاسی تنقید میں بظاہر انقلابی نظر آتے تھے، لیکن جب دلتوں، آدیواسیوں، نچلی ذاتوں اور مذہبی اقلیتوں کے مسائل پر گفتگو کی بات آتی، تو ان کا رویہ اکثر قدامت پسند اور رجعت پسند ہوتا۔

امبیڈکر نے غالب قوم پرستی پر سماجی انصاف کے نقطۂ نظر سے بھرپور تنقید کی۔ آزادی کی جدوجہد کے دوران، وہ مسلسل ذات پر مبنی عدم مساوات کے مسئلے کو اجاگر کرتے رہے اور دبے کچلے اور کمزور طبقات کی آواز بلند کرنے کے لیے سرگرم عمل رہے۔ ان کا پختہ یقین تھا کہ ذات پر مبنی سماجی ڈھانچہ ہندوستانیوں کے درمیان اخوت اور اتحاد کے فروغ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ جب تک ذات کے مسئلے کو حل نہیں کیا جاتا، قوم کی تعمیر کا عمل مکمل نہیں ہو سکتا۔ اس کے برعکس، اعلیٰ ذاتوں کے رہنما اور ہندوتوا کیمپ سے وابستہ ان کے اتحادی اکثر قوم پرستی کا ایک فرقہ وارانہ نظریہ پیش کرتے رہے، جس میں یہ دعویٰ کیا جاتا تھا کہ ہندوستانی قوم کا وجود ہزاروں سال پرانا ہے۔ قوم کو قدیم دور سے جوڑ کر، ہندو انتہا پسند نظریہ سازوں نے اکثریتی طبقے کو اصلی قوم قرار دیا، جبکہ غیر ہندوؤں کی حب الوطنی پر سوالیہ نشان کھڑا کیا۔ امبیڈکر ان مذہبی اور فرقہ وارانہ تشریحات کے خطرات سے بخوبی آگاہ تھے، جو قوم پرستی اور شہریت کے تصورات سے متعلق تھیں۔ اسی وجہ سے وہ فرقہ وارانہ اکثریت کی تشکیل کی تمام کوششوں کے سخت مخالف تھے۔ امبیڈکر کے نزدیک جمہوریت کے لیے سب سے بڑا خطرہ فرقہ پرستی کی سیاست اور آمرانہ طرزِ حکومت ہے۔ ان کے نزدیک جمہوریت کا اصل مقصد یہ ہے کہ معاشرے میں پُرامن طریقے سے انقلابی سماجی اور اقتصادی تبدیلی لائی جائے، تاکہ مساوات کو فروغ دیا جا سکے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے یہ ضروری ہے کہ اقلیتوں کو اقتدار میں برابر کا شریک بنایا جائے اور ان کے حقوق اور مفادات کے تحفظ کے لیے مخصوص اقدامات، بشمول تحفظات، فراہم کیے جائیں۔ یہ بات یاد رکھنا نہایت اہم ہے کہ امبیڈکر نے گول میز کانفرنس کے دوران دلت طبقے کے لیے علیحدہ انتخابی حلقوں کا پُرزور مطالبہ کیا تھا، جسے بعد میں برطانوی حکومت نے تسلیم بھی کر لیا تھا۔ تاہم، مہاتما گاندھی کی بھوک ہڑتال کے بعد، امبیڈکر کو اپنے اس مطالبے سے دستبردار ہونا پڑا۔ امبیڈکر نے مشاہدہ کیا تھا کہ دلتوں کی مستند اور حقیقی آواز کو نہ تو مرکزی سیاسی جماعتوں کی جانب سے مناسب حمایت حاصل ہوتی ہے، اور نہ ہی ذات پر مبنی ہندو ووٹران کی حمایت کرتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں دلت طبقات کو مسلسل سیاسی، سماجی اور اقتصادی حاشیے پر دھکیلا جاتا رہا۔ امبیڈکر کے نزدیک اقلیت کی اصطلاح صرف مذہبی اقلیتوں تک محدود نہیں تھی۔ انہوں نے اقلیتوں کو ایک وسیع تر مفہوم میں سماجی طور پر محروم اور پسماندہ طبقات کے طور پر بیان کیا۔ ان کے مطابق، اقلیت کی درجہ بندی نہ صرف مسلمانوں، عیسائیوں، سکھوں، بدھ مت کے ماننے والوں، جین مت کے پیروکاروں اور پارسیوں پر صادق آتی ہے، بلکہ دلت اور آدی واسی برادریوں پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ بعد کے دور میں کئی سیاسی ماہرین نے اقلیتوں کو مختلف اقسام میں تقسیم کیا، جیسے مذہبی، لسانی، ذات پر مبنی اور قبائلی (آدی واسی) اقلیتیں۔

> امبیڈکر نے غالب قوم پرستی پر سماجی انصاف کے نقطۂ نظر سے بھرپور تنقید کی۔ آزادی کی جدوجہد کے دوران، وہ مسلسل ذات پر مبنی عدم مساوات کے مسئلے کو اجاگر کرتے رہے اور دبے کچلے اور کمزور طبقات کی آواز بلند کرنے کے لیے سرگرم عمل رہے۔ ان کا پختہ یقین تھا کہ ذات پر مبنی سماجی ڈھانچہ ہندوستانیوں کے درمیان اخوت اور اتحاد کے فروغ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

امبیڈکر کا ماننا تھا کہ کسی بھی کامیاب جمہوریت کا اصل معیار یہ ہے کہ وہ اپنی اقلیتوں کے حقوق اور مفادات کا کس حد تک تحفظ کرتی ہے۔ وہ بخوبی جانتے تھے کہ جمہوری نظام میں حکومت اکثریتی حمایت سے قائم ہوتی ہے، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اقلیتوں کو پالیسی سازی سے باہر رکھا جائے یا ان کے مفادات کو نظر انداز کیا جائے۔ آج بابا صاحب کی پیش گوئی کردہ خطرات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو چکے ہیں۔ مسلم اقلیت کو "غیر" بنا کر پیش کرنا اور دانستہ طور پر فرقہ وارانہ کشیدگی کو ہوا دینا ایک ایسی حکمتِ عملی بن چکی ہے جس کا مقصد اکثریتی برادری کو مذہبی شناخت کی بنیاد پر متحد کر کے ایک فرقہ وارانہ اکثریت کی تشکیل ہے۔ ان خطرات کو بھانپتے ہوئے امبیڈکر نے واضح طور پر کہا تھا کہ اکثریتی ووٹوں سے قائم ہونے والی حکومت کو مقدس یا ناقابلِ تنقید نہیں سمجھا جانا چاہیے۔ ۶ مئی ۱۹۴۵ کو بمبئی میں آل انڈیا شیڈولڈ کاسٹ فیڈریشن کے سالانہ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے امبیڈکر نے کہا کہ اکثریت پر مبنی حکومت نہ تو نظریاتی طور پر قابلِ قبول ہے، نہ ہی عملی طور پر جائز۔ کسی اکثریتی برادری کو نسبتاً زیادہ نمائندگی دی جا سکتی ہے، لیکن وہ کبھی بھی مکمل اکثریت کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔

امبیڈکر نے کئی مواقع پر اقلیتوں کے لیے تناسبی اور موثر نمائندگی، دونوں کا پُرزور مطالبہ کیا۔ یہاں یہ بات سمجھنا نہایت ضروری ہے کہ اگرچہ تناسبی نمائندگی لازمی ہے، لیکن صرف اسی پر انحصار کافی نہیں۔ امبیڈکر کے تصورِ تحفظِ حقوقِ اقلیت میں موثر نمائندگی کی اصطلاح کلیدی اہمیت رکھتی ہے۔ ایک بار جب موثر نمائندگی کے اصول کو تسلیم کر لیا جائے، تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اقلیتوں کو ایک طرح کی ویٹو پاور حاصل ہو جاتی ہے۔ یہ ویٹو پاور اس بات کی ضمانت ہے کہ اقلیتوں کو اکثریتی حکمرانی سے خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں، کیونکہ کوئی بھی قانون اس وقت تک منظور نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی کوئی پالیسی نافذ کی جائے گی جب تک کہ اقلیتوں کی برابر کی شرکت اور رضامندی شامل نہ ہو۔ امبیڈکر کا موقف تھا کہ اگرچہ حکومت اکثریتی حمایت سے قائم ہو سکتی ہے، لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اقلیتوں کی رضامندی کو ہر حال میں شامل رکھے۔ اسی بنیاد پر انہوں نے ہر اس قانون سازی کی مخالفت کی جو اقلیتوں کی منظوری کے بغیر نافذ کی جائے، اور انہوں نے تنبیہ کی کہ اس طرح کی فرقہ پرستانہ پالیسیوں کا نتیجہ بغاوت کی صورت میں نکل سکتا ہے۔ آج نریندر مودی کی قیادت میں بھارتیہ جنتا پارٹی کی حکومت ایک کے بعد ایک ایسے قوانین نافذ کر رہی ہے، جو اقلیتوں، خاص طور پر مسلم اقلیت کو براہِ راست متاثر کرتے ہیں اور یہ سب اقلیتوں کی رضامندی کے بغیر کیا جا رہا ہے۔ حال ہی میں منظور کیا گیا وقف ترمیمی بل بڑے پیمانے پر اقلیتی حقوق پر اکثریتی حملے کے طور پر دیکھا جا رہا ہے۔ ■

(مضمون نگار جدید تاریخ میں جے این یو سے پی ایچ ڈی ہیں)

deabtingisues@gmail.com